



الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

میرے نزدیک مجیب اول جواب جواب حق اور صحیح ہے اور مجیب ثانی کا مخدوش وغیرہ صحیح۔ میرے نزدیک اس طرح کی بیع جائز اور مباح ہے۔

(1) قرون مشہور دہا باخیر سے اب تک اس پر عمل ہوتا چلا آیا ہے کیا نظر من تفسیر بیعتین فی بیعہ والا لما اتمح الی النبی عن ذلک ولا ینحی عن ذلک ولا ینحی عن ذلک إنما ہو عدم استقرار الثمن والایستحق ذلک إلا اذ قال: نقد بكذا ونسہ بكذا ولا یفارق علی احد الثمنین فہذہ ہی صورتہ بیعتین فی بیعہ اذا فارق علی احد الثمنین فلا یشملہ النبی الذکور وکذا الایدل الحدیث الذکورہ علی منع ما قال من اول الامر نسبتہ بكذا فقط وكان اکثر من سعلوہم وقد نبہ ذلک العلامة الشوکانی فی النیل والسیل البحر اولم یرد حدیث آخر یمنع من ذلک ویدل علی النبی عنہ فلا ینبغی ان یشک فی جوازہ ون ادعی المنع فعلیہ ان یأتی بدلیل صریح قوی دونہ قتل الجبال

(2) معاملات میں اصل اباحت ہے تا وقتیکہ کوئی دلیل کراہت و منع کی موجود نہ ہو۔ وہ معاملہ مباح رہے گا ارشاد ہے: **ما سکت عنہ فهو عفو (اکما قال) ترمذی**

(3) بیع کے جواز کا مدار اگر عوضین اشیاء متبوضہ عند الشرع سے ہیں اور ان کی بیع کی حرمت پر کوئی صریح نص موجود نہیں ہے تراضی طرفین پر ہے اور صورت متنازع فیہا میں فریقین کی رضامندی بلاشبہ متحقق ہے۔ اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔ **مراہ المسلمون حسنا فوعند اللہ حسن الحدیث (ابن مسعود قد روی مر فوالی النبی صلی اللہ علیہ وسلم** مجیب ثانی نے صورت متنازع فیہا کو بیع بتاتے ہوئے منع کی دلیل ذکر کی ہیں:

دلیل اول کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع کے جواز کے لئے قلبی رضامندی شرط ہے اور زیادہ قیمت دے کر خریدنے والا زیادہ قیمت دینے پر دل سے راضی نہیں ہوتا اور اگر ظاہری رضامندی کافی ہو جائے تو بیع بھی جائز ہونا چاہیے کیوں کہ یہ معاملہ بھی طرفین کی رضامندی سے ہوتا ہے۔

### تمت

(1) فاضل مجیب کا فرض تھا کہ بیع کے جواز کے لئے قلبی رضامندی کے تحقیق کی شرطیت پر دلیل قائم کرتے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی اور نہ پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ولی رضامندی کا وجود تحقیق صحت بیع کے لئے شرط نہیں ہے۔

(1) اس لئے کہ کسی دلیل شرعی سے اس کی شرطیت ثابت نہیں۔

(2) اور اس لئے کہ زیادہ اس صورت کو بیع المضطر کی صورت ثانی کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور بیع المضطر اگرچہ اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے لیکن سب کے نزدیک صحیح ہو جاتی ہے **عن المعبود (235/9) حتی کہ صاحب حدائق الازہار جو بیع متنازع فیہا کو حرام کہتے ہیں: ویمحرم بیع الشئی بالکثر من سعلوہم لاجل النساء بیع مضطر کو صحیح قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں**

**(3) ویصحان من الاعمی ومن المصمت ومن الاخرس بالاشارة وکل عقد الا لاربعۃ ومن مضطر ولو غبن فاحشا اللجموع**

معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک صورت متنازع فیہا کی حرمت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ قلبی رضامندی مفقود ہے۔ ورنہ مضطر کو بھی ممنوع قرار دیتے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مانعین کے نزدیک بھی صحت بیع کے لئے قلبی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

(4) اور اس لئے کہ اشیاء ستہ ربویہ منصوصہ میں اتحاد جنس کے وقت بغیر تا ماضل کے نقد بیع جائز ہوتی ہے خواہ عوضین ردی ہوں یا جید ہوں یا ایک ردی ہو اور دوسرا جید غرض جودۃ اور رداءۃ کا اعتبار نہیں ہوتا اور کھوٹے سونے کا عمدہ سونے کے بدلے میچھتا اسی وقت جائز ہوگا جب دونوں وزن میں برابر ہوں اور نقد نقد معاملہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی عمدہ کو ردی کے عوض میں برابر سہرا فروخت کرنے کے لئے دل سے راضی نہیں ہوگا لیکن باوجود عدم تحقیق رضا قلب کے یہ بیع شرعاً جائز اور صحیح ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ رضا قلبی



کا اعتبار اس طرح نہیں ہے جیسا کہ مجیب نے سمجھا ہے۔

(4) اور اس لئے کہ بیع کے عیب پر مطلع ہونے کے بعد عدم رضا کے باعث مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ بیع کو رد کر دے۔ فوراً سرے سے بیع کے باطل اور کالعدم ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ غرض یہ ہے کہ اطلاع علی العیب کے بعد مشتری کی رضا قلبی کا تحقق نہیں ہوتا اور اس کو اس کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ بیع کو رد کر دے یا رضی ہو کر بیع لازم کر دے۔

عدم تحقق رضائے قلبی کے زمانے میں لزوم بیع کا توقف علامت ہے اس امر کی کہ بیع کی صحت کے لئے دلی رضامندی کی تحقیق ضروری نہیں ہے۔ ورنہ اطلاع علی العیب کے بعد یہ بیع فوراً ہی باطل ہو جاتی ہے اور اگر مشتری آگے چل کر اس بیع معیوب پر رضی ہوتا تو تجدید بیع ہو جاتی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ تجدید بیع کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(5) اور اس لئے کہ واقعی رضائے قلبی کا تحقق شرط ہے تو لازم ہوگا کہ جنگ کے زمانے میں اس شخص کے لئے بھی کنٹرول سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا شرعاً جائز نہ ہو جس نے کوئی چیز مقرر قیمت سے زیادہ پر خریدی ہو۔ کون ہے جو مقرر قیمت سے زیادہ دو گنی ہو گئی قیمت پر خریدنے کے تیار ہوگا!!۔ پس بسبب عدم تحقق رضائے قلبی کے بیع ناجائز ہونے چاہیے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ فاضل مجیب باوجود عدم تحقق رضائے قلبی کے اس بیع کو ممنوع اور ناجائز نہ سمجھتے ہوں گے۔

(6) اور اس لئے کہ سنت الہی یوں جاری ہے کہ جو امور قلوب میں نفوس میں پوشیدہ اور مخفی ہیں ان کو افہام و اقوال ظاہرہ کے ذریعہ ضبط کیا جائے اور یہی اقوال ظاہرہ امور قلبیہ کے قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی تصدیق ایک مخفی امر ہے تو ایمان کا اقرار تصدیق قلبی کے قائم مقام کر دیا گیا اور اسی اقرار ایمان کے احکام دائر ہو گئے۔ اس طرح قیمت اور بیع کے تبادلہ پر متعاقدین کی رضا ایک پوشیدہ امر ہے تو لہذا بیع و قبول کو رضائے مخفی کے قائم مقام کر دیا گیا اور اسی لہذا بیع و قبول پر بیع کے احکام دائر ہو گئے یعنی قیمت اور بیع میں تصرف کرنا اور ہبہ و واثت وغیرہ سب جائز ہو جاتے ہیں۔ بنا بریں صورت مسؤلہ میں جب جروا کراہ کے طرفین طرف سے لہذا بیع و قبول پایا گیا جو علامت ہے وجود رضائے قلبی تو بیع جائز اور صحیح ہوگی۔

(7) اور اس لئے کہ شرعاً بیع مباحہ جائز ہے اور بیع کی کوئی مقدار معین نہیں ہے کہ بائع اس سے زیادہ ربح کے ساتھ نہ فروخت کر سکتا ہوں ہاں غبن فاحش نہیں ہونا چاہیے۔ اور ہر مشتری کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ بیع اس کو اصلی قیمت پر مل جائے یا اگر بائع کچھ نفع کے ساتھ فروخت کرنا چاہتا ہو تو بہت تھوڑے نفع پر قناعت کرے۔ غرضیکہ اولاً: تو وہ مباحہ پر خوب راضی نہیں ہوگا۔ اور اگر مجبور اس کو مباحہ کا معاملہ کرنا ہی پڑے تو وہ ذبح کثیرہ دینے پر قطعاً دل سے راضی نہیں ہوگا لہذا فاضل مجیب کی تحقیق کے مطابق عدم تحقق رضائے قلبی کی وجہ سے بیع مباحہ بربح کثیرہ ناجائز ہونا چاہیے لیکن واقعہ یہ ہے کہ شرعاً ایسی بیع جائز اور مباح ہے۔ معلوم ہوگا کہ تحقق رضائے قلبی حقیقہ شرط نہیں ہے۔

(2) اور اگر بالفرض واقعی دلی رضائے قلبی کا تحقق اور حصول شرط ہو تو صورت متنازع فیہا میں دلی رضائے قلبی پر کوئی دلیل اور قرینہ واضحہ وینہ موجود نہیں ہے۔ فاضل مجیب نے اس چیز کو من الشمس بتاتے ہوئے اپنے خیال میں ایک قرینہ پیش کیا کہ دس کے بجائے بارہ دینے سے پر دل نخوشی راضی نہیں ہو سکتا۔

لیکن میرے نزدیک یہ چیز عدم تحقق رضائے قلبی کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کیوں کہ بیع الحادین میں ایک بیع سلم بھی ہے جو باتفاق امت جائز اور مشروع ہے۔ حالانکہ اس بیع میں رب السلم زر سلم راس المال کو پیشگی دینے کے باعث زمان تسلیم کے عام نرخ سے زیادہ نرخ پر مسلم الیہ سے معاملہ طے کرتا ہے (مثلاً: اگر اس وقت نرخ عام طور پر 10 سیر کا ہوگا تو وہ 12 سیر پر معاملہ کرے گا اور مسلم الیہ روپیہ کی ضرورت سے مجبور ہو کر مسلم فیہ کو عام نرخ سے زیادہ دینے پر راضی ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دس سیر کے بجائے 12 سیر دینے پر دل سے کون راضی ہوگا!!) لیکن یہ معلوم ہے کہ ظاہر ہی رضا معتبر ہو جاتی ہے اور بیع شرعاً صحیح ہوتی ہے اور کوئی صاحب نظر اس مجبوری و ضرورت کو عدم تحقق رضائے قلبی کا قرینہ قرار دے کر بیع سلم کو ناجائز نہیں کہتا۔ پس اس طرح صورت متنازع فیہا میں بھی فاضل مجیب کا پیش کردہ عدم رضائے قلبی کا قرینہ نہیں ہو سکتا اور بالفرض ہوتی تو ظاہر رضائے قلبی کافی ہو جائے گی۔

(2) اور کیوں کہ اس طرح کی بیع عام طور پر رائج اور معروف ہے یعنی: اس کا تعلق عموم البلوی سے ہے اور لوگوں کو اس معاملہ کی ایک طرح عادت ہو چکی ہے۔ اور لوگ اس بیع کو نئی چیز نہیں سمجھتے اور اس کا عام دستور ہو چکا ہے اس لئے ظاہر یہ ہے کہ مشتری اس بیع کو اپنی رضامندی کرتا ہے لہذا قلبی رضامندی کے فقہان کا دعویٰ کرنا ناقابل فہم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر نفاذ ممنوع بیع کی عادت لوگوں کو ہو جائے تو وہ بھی جائز ہو جائے۔ فافہم



(3) اور کیوں کہ رضا قلبی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا علم صرف بتلی بہ کو ہو سکتا ہے دوسرا شخص اس کے متعلق اس یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ اس کا دل اس معاملہ سے راضی نہیں ہے۔ لہذا آن منبر بہ البتلی بہ آؤ توجہ قرینہ واضعہ قویہ تبدل علی عدم تحقق الرضا پس جب مشتری بغیر جبر و اکراہ کے عام رواج کے مطابق یہ معاملہ کر رہا ہے تو اظہر یہ ہے کہ دلی رضا سے کر رہا ہے۔ مشہور ہے: مرگ انبوہ جشے دارد۔

(4) اور کیوں کہ فاضل مجیب نے مشتری کو مکروہ قرار دینے کے باعث اس بیع میں عدم حصول رضا قلب کا دعویٰ کیا ہے لیکن یہ واقعہ اور حقیقت ثابتہ ہے کہ صورت متنازع فیہا میں مشتری مکروہ نہیں ہے۔ یعنی: وہ اکراہ متحقق نہیں ہے جس میں رضا قلبی مفقود ہوتی ہے اور شرعاً بیع کا موجب ہوتا ہے۔

(5) اور کیوں کہ رضا قلب کلی مشکک ہے اس کی وافر تساویہ الاقدام نہیں ہوں گے تحقق رضا میں تفاوت ہوگا تشکیک ہوگی۔ لہذا صورت متنازعہ فیہا میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علی وجہ الکمال والتمام رضا قلبی کا تحقق نہیں ہے۔ یعنی: رضا اکمل نہیں پائی گئی۔ دوسرے سے رضا کے وجود کی نفی کر دینی کسی طرح معقول نہیں ہو سکتی۔

فاضل مجیب نے یہ عجیب و غریب دعویٰ کیا ہے کہ اگر ظاہر رضا سبب جواز ہو جائے تو بیع پر بھی طرفین کی رضا ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ: اگر ظاہر ہی رضامندی کافی ہو جائے تو بیع کہ بیع کا معاملہ بھی طرفین کی رضا سے ہوتا ہے۔ لہذا اس کو ناجائز نہیں کہنا چاہیے۔ لیکن محض قلبی رضا کے فقدان اور ظاہر ہی رضا کے عدم اعتبار کے باعث سماج کا معاملہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک بیع کے معاملہ کی حرمت کی وجہ اور علت و سبب عدم وجود رضا قلب ہے اور بس لیکن حقیقت یہ ہے کہ ربوہ اور بیع کی حرمت کی یہ علت فاضل موصوف کی مخترع اور ایجاد کردہ ہے اور ان کے دماغ کی اوج ہے۔ کتاب و سنت میں یہ سب کہیں مذکور نہیں ہے نہ صراحتاً نہ اشارہ۔ صرف حرمت منصوص اور مصرح ہے اور علت و سبب مذکور نہیں ہے اور احکام منصوصہ مصرحہ میں جن کے علل و مصالح منصوص و مصرح نہ ہوں علت اور مصلحت و حکمت کے پیچھے پڑ کر اپنے دماغ سے کسی حکمت و علت کو گھڑنا اور اس کو علی سبیل الجزم حکم (علت و حرمت یا جواز یا حرج یا وجوب و فریضیت) کا دارمناظر قرار دینا اصحاب حدیث کی شان کے لائق نہیں بلکہ ان کی روش کے بالکل خلاف ہے۔ یہ طریقہ فقہاء محدثین کا نہیں ہے بلکہ اہل الرائے کا ہے۔

ربوانی نفسہ ایک قبیح اور حرام چیز ہے۔ یہاں تک کہ اس قباحتوں اور مضرتوں پر یورپ اور ایشیا بلکہ ساری دنیا کے عقلاء متفق ہیں۔ اور جب اس کی حرمت بغیر ذکر سبب و علت کے مصرح ہے تو سبب اور وجہ کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مومن قانت کی شان یہ ہے کہ حکم الہی کے سامنے شرم کر دے اور لم ولانہ کرے کہ یہ چیز عبدیت کے قطعاً منافی ہے۔ ہاں اگر کوئی سبب ذہن میں آجائے تو اس کو محض ظن کا درجہ دینا چاہیے اور یہ حکم نہیں لگا دینا چاہیے کہ بلاشبہ شارع کے نزدیک بھی حکم کا یہی سبب ہے اور جب وہ محض ظنی ہو تو اس کے بارے میں یہ قاعدہ الحکم یدور مع العلة نہیں چل سکتا۔ اور میں تو کہتا ہوں کہ آج کل بیمہ کمپنیوں بنکوں تجارتی کمپنیوں کے ربوی معاملات بلاشبہ فریقین کی دلی رضامندی سے ہوتے ہیں لہذا فاضل مجیب کی بیان کردہ علت اور ان کی تحقیق کے مطابق بنکوں اور بیمہ کمپنیوں وغیرہ کاروباری کار و بار جائز اور مباح ہونا چاہیے کیونکہ یہاں صرف رضامندی نہیں بلکہ رضا قلبی مندی بھی متحقق ہے۔

فاضل مجیب کی دوسری دلیل بھی خدوش ہے۔ اس لئے کہ لاربا الانی النسبۃ کا ظاہر معنی قطعاً مراد نہیں ہے ورنہ ربو الفضل کو جائز کہنا پڑے گا کہ ماذهب الیہ ابن عباس وابن عمر قال الرجوع الی قول الجسور ونیز لازم ہوگا کہ ادھار خرید و فروخت جائز بھی نہ ہو اشیاء ربویہ میں نہ غیر ربویہ کا۔ کیونکہ ارشاد مذکور کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ربو الا کا تحقق صرف ادھار کی صورت میں ہے خواہ ادھار کی کچھ ہی صورت کیوں نہ ہو۔ حالانکہ ربو الفضل بلاشبہ اشیاء ربویہ حرام ہے اور غیر ربویہ کی بہت سی صورتوں میں ادھار کا معاملہ بالاتفاق جائز ہے۔ پس لامحالہ ہم کو اس تفسیر کے لئے کتب غریب الحدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اور یہ دیکھنا ہوگا کہ عہد نبوی میں ربائی کو کسی صورت راجح تھی؟ اور آنحضرت ﷺ نے کس موقع پر جملہ مذکورہ انما الربوانی النسبۃ ارشاد فرمایا ہے؟ پس غور سے پڑھے علامہ جزری لکھتے ہیں۔ **بالتاخیر من غیر تقابض بولرباوان کان بغیر زیادہ و ہذا مذہب ابن عباس کان یری بیع الربویات متفاضلۃ مع التابض جائز وأن الربا مخصوصۃ بالنسبۃ (النهاية 45/5)** یہی معنی تقریباً تمام شراح حدیث نے لکھا ہے۔

اب دیکھئے کہ عرب جاہلیہ میں ربائی کو کسی صورت مروج تھی؟ موطا مالک (ص 468) میں ہے: **ناک عن زید بن اسلم: أنه قال: کان الزبانی النجالیۃ، أن یكون للزجل علی الزجل**

الحُجَّ، إِلَى أَجَلٍ، فَإِذَا عَلَّ الْحُجَّ، قَالَ: الْقَضَى، أَمْ تُرْبِي؟

فَإِنْ قَضَى (1)، أَخَذَ وَالْأَزَادَةُ فِي حَقِّهِ وَأَخْرَعْنَاهُ فِي الْأَجَلِ انْتَهَى علامہ زرقانی اس کی شرح (324/3) میں لکھتے ہیں: بِمَعْنَى زَادَلَهُ (فِي الْأَجَلِ) وَلَا خِلَافَ أَنَّ بَدَأَ الرَّبَّ الَّذِي حَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَمْ تَعْرِفِ الْعَرَبُ إِلَّا فِي النَّبِيِّ، فَزَلَّ الْقُرْآنُ بِذَلِكَ، وَزَادَهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بَيْنَانًا وَحَرَّمَ رِبَا الْفَضْلِ كَمَا مَرَّ، قَالَ أَبُو عَبْدِ الْمُبَرِّقَاتِي

اس کے ساتھ ان کی توجیہات کو بھی سامنے رکھتے ہوئے شرح حدیث (نووی کرمانی حافظ وغیرہ) نے حدیث مذکور اور احادیث حرمت ربا الفضل کے درمیان تطبیق کے لئے تحریر کی ہیں۔ ان تمام باتوں سے واضح طور پر یہ متحقق ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کا معنی وہ نہیں ہے جو فاضل مجیب نے سمجھا ہے اور یہ کہ اس کا صحیح معنی اور تفسیر صورت تنازعہ فیہا قطعاً منطبق نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ علماء بھی جو وضع و تعجل کو منع سمجھتے ہیں اور مقابل الاجل بالدارہم ربا (بموسط سرخصی 126/13) جن کا مقولہ ہے۔ صورت تنازعہ فیہا کو ناجائز نہیں کہتے حالانکہ اس میں تاجیل اور نسبیہ کی وجہ سے قیمت زیادہ کر دی گئی ہے اور بظاہر مقابلہ اجل کا دارہم کے ساتھ ہو گیا ہے۔ وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ ان کے نزدیک حدیث انما الربا فی النسبہ کے مصداق سے صورت سبوتہ عنہا خارج ہے اور زید بن اسلم کے قول میں ربا جالبیہ کی بیان کردہ صورت سے علماء نے جو منع کی علت اخذ کی ہے اور جو فاضل مجیب کی لغزش اور دھوکے کے باعث ہوگی وہ یہاں متحقق نہیں ہے مقابلہ الاجل بالدارہم اہم مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ اس لئے صاحب ہدایہ باب المراءحہ والتولیہ 57/3 میں لکھتے ہیں: **ولم یزاد فی الثمن لاجل الاجل انتہی قال صاحب البرہان شرح مواہب الرحمن: لان للاجل تاثر فی نقصان المالیۃ فالتجار یشترون بالتقدیر اقل مما یشترون بالنسبۃ انتہی**

معلوم ہوا کہ مقابلہ الاجل بالدارہم بیع قرض کی خاص صورتوں میں ممنوع ہے اور صورت تنازعہ فیہا میں ادھار کی وجہ سے جس قدر قیمت زیادہ کر دی جاتی ہے وہ حد منع سے خارج ہے اس لئے کہ یہ زیادہ ابتدا ہی سے بیع ظاہر کر دی جاتی ہے اور ممنوع دین معجل کی زیادہ مقابلہ میں مہلت دینے کے ہے یا دین مؤجل میں کسی مقابلہ میں تعجیل مابقی کے ہے اور یہاں مشتری کے ذمہ سے کوئی دین نہیں ہے کہ اس میں زیادہ و اضافہ مقابلہ میں اجل کے کر دی گئی ہو پس صورت ممنوعہ سے خارج ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب علامہ شوکانی کے رسالہ شفاء الغلیل کے وجود کا مجھ کو علم نہیں شاید کسی بینی کتب خانہ میں محفوظ ہو۔

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

## فتاویٰ شیخ الحدیث مبارکپوری

جلد نمبر 2 - کتاب البیوع

صفحہ نمبر 323

محدث فتویٰ